قسطوں والی تجارت کے دلائل کا تجزیہ

حافظ عبد المنان نور پوری رحمه الله واسكنه فى فسيح جناته

از حافظ عبد المنان نور پوری بطرف جناب بشیر أحمد سیالکوٹی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

أمابعد! میں نے آپ کے مجلہ "نداء الإسلام" کے سال چہارم کے پہلے شمارہ کا مطالعہ کیا، اس میں مَیں نے جناب دکتور حسین مطاوع الترتوری-حَفِظَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ، وَبَارَكَ فِيْ عِلْمِهِ وَعَمَلِهٖ ، وَ وَفَّقَنَا وَإِيَّاهُ لِمَا يُحِبُّه، وَيَرْضَاهُ-کا مضمون "قسطوں کی بیع" پڑھا، جس میں انہوں نے قسطوں کی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی فصل "مُنَاقَشَةُ الْأَدِلَّةِ وَ بَيَانُ الرَّاجِحِ" (دلائل کا مناقشہ اور راجح چیز کا بیان) میں فرماتے ہیں:

راجح-واللہ أعلم-یہی ہے کہ قسطوں کی بیع جائز ہے خواہ اُس میں قیمت زیادہ ہی دینی پڑے؛ بشرطیکہ خرید وفروخت کے وقت شروع میں ہی یہ بات ہو جائے (کہ پیسے تاخیر سے دینے ہیں اور اتنی مقدار میں دینے ہیں)۔ ترتوری صاحب مضمون کے آخر میں فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ قسطوں کی بیع جائز ہے...

صاحبِ مضمون کے دلائل:

صاحبِ مضمون نے اپنے دعوٰی کے اِثبات کے لئے مندرجہ ذیل چند دلائل بھی پیش کئے ہیں:

۱-اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: (وَ أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ). (اللہ تعالیٰ نے خرید و فروخت حلال کی ہے۔) (البقرة:۲۷۵) کے تحت قسطوں کی بیع بھی داخل ہے۔



٢-اللہ تعالیٰ کے فرمان:(يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَينَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ).(اے ایمان والو!اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے نہ کھاؤ، مگر یہ کہ باہم رضامندی سے تجارت ہو۔)(النساء: ٢٩)کے تحت بھی داخل ہے۔

٣-نبیؐ کی حدیث:((لَايَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ إِلَّا عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ)).(کسی مسلمان کا مال جائز نہیں مگر اُس کی خوشنودی سے [مستدرک على الصحيحين للحاكم كتاب العلم(٣١٨) سنن دارقطنى كتاب البيوع (٩٢)]سے بھی قسطوں کی بیع کی اجازت ہے۔

٤-اصل میں تمام معاملات،لین دین جائز ہیں جب تک کوئی منع کی دلیل وارد نہ ہو،اور جو آدمی کہتا ہے کہ قسطوں کی بیع جائز نہیں اُس کے پاس کوئی ایسی دلیل موجود نہیں جس سے قسطوں کی بیع کی ممانعت نکلتی ہو۔

٥-لوگوں کو ایک چیز کی ضرورت ہو اور نقد پیسے نہ ہوں تو آسان قسطوں پر چیز کو اس کے ریٹ سے مہنگا خرید لینے میں ان کو کوئی دشواری نہیں ہوتی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:(وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ). (اللہ تعالیٰ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالی۔)[الحج:٧٨]اور فرماتا ہے: (يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ). (اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تمہارے ساتھ تنگی نہیں چاہتا۔)[البقرۃ:١٨٥]

٦-اس وقت ایسے محسنوں کی کمی ہے جو اپنے ضرورت مند بھائیوں کو قرضِ حسنہ دے سکیں۔

٧-اس سے سُود کا دروازہ بند ہو گا؛کیونکہ ایک آدمی کو جب ایک چیز کی ضرورت ہو اور اس کے پاس اسے خریدنے کے لئے پیسے نہ ہوں،نہ ہی کوئی قسطوں پر بیچنے کے لئے تیار ہو تو اُسے وہ چیز خریدنے کے لئے سود پر پیسے لینے پڑیں گے۔

٨-قیمت میں اضافہ کا جواز تاخیر کا بدل ومعاوضہ ہے۔



دلائل کا تجزیہ:

ان آٹھ دلائل میں کوئی دلیل بھی ایسی نہیں، نہ ہی کوئی اور دلیل ایسی ہے جو صاحبِ مضمون کے دعوٰی "قسطوں کی بیع کے جواز" کو ثابت کر سکے۔

"۳،۲،۱"(پہلے تین دلائل تو اس لئے دلیل نہیں بنتے کہ غیر شرعی خرید و فروخت اور تجارتیں سرے سے ان تینوں دلائل کے عموم میں داخل ہی نہیں، اور اگر داخل ہیں تو شریعت نے ان عمومی دلائل سے نکال کر ان کا بطورِ خاص الگ حکم بتایا ہے؛ ورنہ لازم آئے گا کہ ان کے ساتھ:

(ا) شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت۔

(ب) گندم کی خرید و فروخت برابر وزن سے ،ایک جانب سے نقد اور دوسری جانب سے ادھار۔

(ج) دونوں جانب سے گندم نقد ہو لیکن ایک فریق زیادہ لے۔

(د) ایک فریق کم لے اور دوسرا زائد لے جبکہ ایک اُدھار کرے۔

تو یہ اور اس طرح دوسری بیوع اور تجارتیں اگر رضامندی سے ہو جائیں تو جائز ہونی چاہئیں؟ لیکن ظاہر ہے کہ سود ہیں، تو قسطوں کی بیع بھی صرف رضامندی کی وجہ سے کیسے جائز ہو گئی؟

صاحبِ مضمون بھی اس طرح کی خرید و فروخت اور تجارت کو اِس بنا پر جائز قرار نہیں دیتے کہ یہ اِن دلائل کے عموم کے تحت داخل ہیں؛ اس لئے کہ شریعت نے اِن کو اور اس طرح کی دوسری بیوع اور تجارات کو حرام قرار دیا ہے۔ اور قسطوں کی بیع بھی انہی بیوع میں سے ہے جنہیں شریعت نے حرام کیا ہے کیونکہ اس میں زیادہ منافع صرف تاخیر کی وجہ سے لیا جاتا ہے۔ اور صرف تاخیرِ وقت کا منافع شریعت میں جائز نہیں، جس طرح سود (قرض کے سود اور بیع کے سود) کی حرمت کے بہت سے دلائل سے سمجھ آتا ہے۔ پھر قسطوں کی بیع ان بیوع سے ہے جن پر نبیﷺ کا یہ فرمان صادق آتا ہے:

((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَه، أَوْكَسُهُمَا أَوِالرِّبَا)).(جس نے ایک بیع (چیز فروخت) کے دو بھاؤ لگائے تو اس کے لئے کم ریٹ اور بھاؤ لینا جائز ہے اور اگر زیادہ لیا تو سود ہو گا۔)



(یہ مسئلہ آگے آرہاہے،إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی).

لہٰذا ان تین اور ان کے علاوہ دوسرے دلائل سے قسطوں کی بیع کے جواز پر استدلال کرنادرست نہیں۔

۴-چوتھی دلیل اس لئے نہیں بنتی کہ یہاں قسطوں کی بیع کی ممانعت کی مضبوط دلیل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ قسطوں کی بیع کا انحصار اس پر ہے کہ اس میں صرف تاخیر اور دیر سے ادائیگی کرنے پر منافع لیا جاتا ہے اور یہ ایسی بیوع سے ہے جن پر نبیؐ کا یہ قول: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا)).صادق آتا ہے

۵-پانچویں پیش کردہ دلیل اس لئے صحیح نہیں کہ اس سے شریعت میں ہر حرام کردہ چیزاس وجہ سے جائز اور حلال ٹھہرے گی کہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہے مثلاً:

کسی آدمی کو ایک چیز کی ضرورت ہو لیکن خریدنے کیلئے پیسے نقد موجود نہیں،وہ کسی آدمی سے پیسے لے کر چیز خرید لے اور بعد میں اسے پیسے واپس کرے تو اضافی رقم بھی ادا کرے اور یہ معاملہ اور لین دین سود کے باوجود حلال ٹھہرے گا؟"نہیں""ہرگز نہیں"۔لہٰذا اصل یہی ہے کہ جو چیز شریعت نے حرام کی ہے وہ حرام ہی ہے لوگوں کو اس کی ضرورت پڑے یا نہ پڑے،چیز خریدنے کے لئے نقد قیمت ملے یا نہ ملے۔اور قسطوں کی بیع حرام بیوع سے ہے،یہ رفع حرج اور ارادہءیُسر کے قاعدہ(کہ شریعت میں تنگی نہیں آسانی ہے)کے زمرے میں نہیں آتی۔جن کے پاس نقد قیمت موجود ہے اور جن کے پاس موجود نہیں سب پر لازم ہے کہ حلال کو لازم پکڑیں اور حرام سے اجتناب کریں،جو آدمی حلال لیناچاہے وہ حرام سے بچ جاتا ہے نبی ﷺ نے فرمایا:((وَمَنْ يَّسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللّٰهُ ، وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهُ اللّٰهُ))(جو پاکدامنی اختیار کرناچاہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے پاکدامن بنادیتاہے اور جو حرام سے بچناچاہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے حرام سے بچالیتاہے۔) [بخاری كتاب الزكاةباب لا صدقة إلاعن ظهر غنا(١٤٢٨) مسلم كتاب الزكاة باب فضل التعفف والصبر(١٠٥٣)] اور اللہ تعالیٰ ارشاد



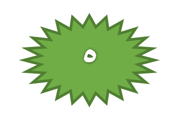
فرماتا ہے:(وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَه، مَخْرَجاً . وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُه، إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْراً)۔(جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے وہ اس کے لئے کوئی نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے امید بھی نہیں ہوتی اور جو اللہ پر بھروسہ کرلے تو وہ اُسے کافی ہو جاتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے کام کو پورا کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ لگا رکھا ہے۔)[الطلاق :۳] لہٰذا اللہ تعالیٰ کے یہ فرامین:(وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِيْ الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ)[الحج:۷۸]۔اور(يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ)۔[البقرۃ:۱۸۵] اللہ اوراس کے رسول کی حرام کردہ چیزوں کو دفعِ حرج اور رفعِ عُسر(تنگی اوراٹھانااوردور کرنا)کے دعوٰی سے حلال نہیں کرتے،ورنہ لازم آئے گا کہ ہر حرام حلال ہو جائے اور یہ ٹھیک نہیں۔

۶-چھٹی دلیل بھی صحیح نہیں؛کیونکہ اسے صحیح ماننے سے شریعت کی ہر حرام کردہ چیز اس علت اوروجہ سے حلال ٹھہرے گی کہ جی!ایسے محسنین کی کمی ہے جو لوگوں کو اپنے مال بطور قرض حسنہ دیں۔اور یہ علت بھی کمزور ہے۔

۷-ساتویں دلیل سے بھی "قسطوں کی بیع کا جواز"ثابت نہیں ہوتا؛اس لئے کہ:

(أ)- "قسطوں کی بیع"سودی بیع ہے جس میں زائد منافع ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے ہوتا ہے جو کہ شریعت میں سود کہلاتا ہے۔

(ب)-نبیﷺ نے فرمایا:((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا))۔دراصل قسطوں کی بیع میں تھوڑے درہم یا دینار کی زیادہ کے بدلے بیع(خرید و فروخت)ہوتی ہے اور سودا تو واضح طور پر حیلہ ہے۔(یہ مسئلہ إِنْ شَآءَ اللّٰه تَعَالٰی آگے آرہا ہے)



لہٰذا پتہ چلا کہ قسطوں کی بیع سے سود کا راستہ بند نہیں ہوتا بلکہ یہ سود کا بہت بڑا دروازہ خوب کھول دیتی ہے۔

۸- آٹھویں دلیل سے صاحب مقال کا دعوٰی اسلئے ثابت نہیں ہوتا کہ ذکر کردہ دلیل: "قیمت میں تاخیر کے عوض اضافہ کا جواز"

نہ قرآن سے ثابت ہے نہ نبیؐ کی کسی حدیث سے بلکہ یہ صرف دعوٰی ہے۔ہاں! یہ ضرور ثابت ہے کہ قیمت مؤجل ہونے کی بناء پر نفع لینا(اور اس میں زائد قیمت بھی آگئی) جائز نہیں۔اور سود کی حرمت کے بہت سارے دلائل اس پر دلالت کرتے ہیں۔

ادائیگی کی تاخیر، وجہ سود نہیں

جو لوگ "قسطوں کی بیع" کو اس وجہ سے سودی بیع کہتے ہیں کہ اس میں صرف ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے پیسے زیادہ لئے جاتے ہیں۔اس کا جواب دیتے ہوئے صاحبِ مضمون کہتے ہیں:

یہ استدلال صحیح نہیں، اسلئے کہ بیع شروع سے ہی معین قیمت پر ہوئی ہے کہ اتنے عرصے میں ادائیگی ہوگی اور اتنا ریٹ ہے۔ دوسرے ریٹ کی بات کی ہی نہیں ہوئی۔اور ایسا جب فریقین کی رضامندی سے طے ہو جائے تو جائز ہے۔

جواب

اس کے کئی جواب ہیں:

۱-صاحبِ مضمون پہلے خود "قسطوں کی بیع" کی اہم خصوصیات میں بیان کرچکے ہیں کہ

(أ) ۱-سامان (قابل فروخت) فوری دیا جائے گا۔ ۲- قیمت مؤجل ہوگی اور قسطوں میں دی جائیگی۔ ۳- قیمت میں اضافہ تاخیر کا عوض ہے۔

(ب) پھر یہ بھی کہہ کر آئے ہیں کہ تیسری بات (قیمت میں اضافہ تاخیر کی نظیر ہے) میں اختلاف ہے۔



(ج) پھر کہتے ہیں کہ "قیمت میں اضافہ تاخیر کی نظیر ہے" کو جائز قرار دینے والوں کی دلیل یہی ہے کہ قیمت میں اضافہ تاخیر کی نظیر ہے۔

آپکو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ صاحبِ مضمون نے اپنے ان تینوں اقوال میں "قسطوں کی بیع میں "قیمت میں اضافہ کو تاخیرِ ادائیگی کا عوض وبدل ٹھہرایا ہے لیکن اب کہہ رہے ہیں کہ

"قیمت جو طے ہو رہی ہے وہ سامان (قابل فروخت) کی پوری قیمت ہے"

ان کے پچھلے تین اقوال اور اس قول میں واضح تضاد ہے، کیونکہ جب قیمت سامان کی پوری قیمت بن رہی ہو تو پھر " قیمت میں اضافہ تاخیر کا عوض وبدل ہے"باقی نہیں رہتا۔اور جب"قیمت میں اضافہ تاخیر کا عوض وبدل ہو"سامان فروخت کی قیمت اس کی پوری قیمت نہیں ہو سکتی۔یہ بالکل واضح بات ہے جسے ذہین اور کند ذہن سبھی جانتے ہیں۔

۲-دوسرا جواب یہ ہے کہ جب ساری قیمت جو قسطوں میں قابل ادا ہے سامان کی کل قیمت ہے اور ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے اس میں کوئی اضافہ نہیں کیا تو پھر تو یہ بیع "قسطوں کی بیع"رہتی ہی نہیں (کیونکہ قسطوں کی بیع میں تاخیر ادائیگی کی وجہ سے پیسے زیادہ دینے پڑتے ہیں)اور جب یہ صورت "قسطوں کی بیع"والی بنتی ہی نہیں تو صاحب مضمون کا یہ جواب اسے سود کہنے والوں کے لئے جواب نہیں بنتا۔

۳-اگر قسطوں میں ادا ہونے والی رقم سامانِ فروخت کی کل قیمت ہے اور تاخیر ادائیگی کی وجہ سے ریٹ نہیں بڑھایا گیا تو اگر یکبارگی ساری رقم ادا کر دی جائے تو ریٹ کم نہیں ہونا چاہئے! جبکہ ایسا نہیں ہوتا۔

۴-"قیمت (قابل ادا) کو سامان کی مکمل اور پوری قیمت کہنا"اس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ "شروع سے ایک معین ریٹ ہی طے پایا تھا لیکن ابتدا میں ایسا ہو جانے سے وہ بیع صحیح نہیں ہو جاتی! دیکھئے:

ایک آدمی دوسرے سے کہتا ہے: میں تجھے یہ "درھم""ایک درھم اور چوتھائی درھم" کے عوض ادھار بیچتا ہوں (جبکہ قیمت میں دونوں برابر ہوں)۔



یا کہتا ہے: میں تمہیں یہ سودا دو درھم میں ادھار بیچتا ہوں (جبکہ نقداً اس سودے کی قیمت دو درھم سے کم ہو) اور دوسرا آدمی کہہ دے:

"مجھے یہ بیع اور سودا قبول ہے" اس سے "درہم اور چوتھائی درہم" ایک درہم کی پوری قیمت نہیں بنتی۔ نہ ہی دو درہم سامان کی پوری قیمت بنتے ہیں (بلکہ قیمت زیادہ ہے) یہ اضافی ریٹ ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے ہے۔ تو اب یہ بیع اس دلیل سے جائز نہیں ہو جائیگی کہ "بیع ابتداء ہی سے معین ریٹ پر ہوئی تو کل قیمت سامان کی پوری قیمت ہی ہے"۔

۵- شریعت جو "نقد درھم کی ادھار درھم سے بیع" کو سود قرار دیتی ہے "قسطوں کی بیع" کو بالأولیٰ سود قرار دیتی ہے کیونکہ اس میں تو ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے قیمت زیادہ لی جاتی ہے جبکہ "نقد درھم کی ادھار درھم سے بیع" میں قیمت بھی زیادہ نہیں لی جاتی اور پھر بھی سود ٹھہرتا ہے۔ اسی طرح جب شریعت میں "نقد گندم کی ادھار جو سے بیع" سود ہے تو قسطوں کی بیع بالأولیٰ سود ہے۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ قسطوں کی بیع سود کی ایک شکل ہی ہے۔ (وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبَا). اور اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔

۶- صاحبِ مضمون کی یہ بات: "یہ جائز ہے جب بیع (فریقین کی) رضامندی سے ہوئی ہو" کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ "قسطوں کی بیع" سودی بیع ہے (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور آگے بھی یہ بات إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی آرہی ہے) اور سود جب قرآن وحدیث کی نصوص سے ناجائز اور حرام ہے تو فریقین کی رضامندی سود اور سودی بیوع (جن میں قسطوں کی بیع بھی شامل ہے) کو جائز اور حلال نہیں کر سکتی۔

حدیثِ "مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ " الخ کے تین معانی

صاحبِ مضمون کہتے ہیں: "اس طرح ان (قسطوں کی بیع کو حرام کہنے والوں) کا اس حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا))۔



سے استدلال قسطوں کی بیع- جس میں اضافی رقم دیناپڑتی ہے- پر منطبق نہیں ہو تا کیونکہ حدیث سے مندرجہ ذیل تین معانی میں سے ایک معنی مراد ہے اور تین میں قسطوں کی بیع شامل نہیں۔

(۱)ایک بیع میں دوبیعوں سے مراد"بیع عِینہ "ہے جس کا مطلب ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو کوئی چیز فروخت کرتا ہے اورادائیگی کاوقت معینہ مدت تک طے ہو جاتا ہے،پھر وہ چیز خریدنے والے سے نقدرقم پر کم قیمت میں خریدلیتا ہے۔

(۲)بعض نے کہاہے:اس کامطلب یہ ہے کہ ایک ہی چیز دومرتبہ فروخت ہوتی ہے جیسے:ایک آدمی ایک مہینہ ادھارپر کوئی چیز بیچتاہے،جب ادائیگی کاوقت آتاہے، خریدارکے پاس قیمت موجود نہیں ہوتی،فروخت کنندہ اس پر اورپیسے چڑھادیتاہے،اسے دوبارہ نئے سرے سے نئی قیمت پر بیچتاہے اورادئیگی کی پہلی رقم اس کے ذمہ بدستور قائم رہتی ہے۔

(۳)بعض کہتے ہیں:حدیث کامعنی یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کو کوئی چیز فروخت کرے اور ساتھ شرط لگائے کہ خریدار بھی اسے کوئی دوسری چیز فروخت کرے۔

جواب

میں کہتاہوں اس کے کئی جواب ہیں:

جواب نمبرا-یہ حدیث:((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا))۔ صرف ایک، دو، تین یا چار، پانچ کو شامل نہیں بلکہ ہر اس بیع کو شامل ہے جس میں دوبیعیں کی جائیں۔اوریہ بالکل واضح بات ہے جو کسی اہل علم سے مخفی نہیں؛ لہٰذا صاحبِ مضمون کا یہ کہنا کہ یہ حدیث"قسطوں کی بیع(جس میں اضافی رقم دیناپڑتی ہے)پر منطبق نہیں ہوتی" صحیح نہیں،کیونکہ اس بات کی بنیادِاس نظریہ اورفکرپرہے کہ حدیث صرف مذکورہ تین معانی پر ہی منحصر ہے،حالانکہ حدیث میں کوئی قصرہے نہ حصر،جیساکہ آپ معلوم کرچکے ہیں۔



جواب نمبر ۲-صاحبِ مضمون نے حدیث کو تین معانی میں بند کر کے رکھ دیا ہے، یہ بات کسی اہلِ علم سے ثابت نہیں، ہاں! بعض نے اس سے صرف "بیع عِینه" مرادلی ہے جیسا کہ آگے إِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی آرہاہے؛بلکہ کئی علماء نے "کوئی چیز نقد کم قیمت پر اورادھار زیادہ قیمت پر بیچنے "کوہی ایک بیع میں دو بیعیں قرار دیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب جامع ترمذی میں فرماتے ہیں:"وَقَدْ فَسَّرَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوْا:بَيْعَتَيْنِ فِیْ بَيْعَةٍ أَنْ يَّقُوْلَ:أَبِيْعُکَ هٰذَا الثَّوْبَ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ ، وَ بِنَسِيْئَةٍ بِعِشْرِيْنَ.وَلَايُفَارِقُه، عَلٰى أَحَدِ الْبَيْعَيْنِ ، فَاِذَا فَارَقَه، عَلٰى أَحَدِهِمَا فَلَا بَأْسَ إِذَا کَانَتِ الْعُقْدَةُ عَلٰى وَاحِدٍ مِّنْهُمَا".اھ[أبواب البيوع عن رسول الله باب ماجاء فی النہی عن بيعتين فی بيعة]

"بعض اہل علم نے وضاحت کی ہے کہ ایک بیع میں دو بیعیں یہ ہیں کہ آدمی ایک ہی مجلس میں کہے:میں یہ کپڑا آپ کو نقد دس درھم میں دیتا ہوں اورادھار بیس درھم میں"لیکن اگر صرف ایک ہی قیمت (دس درھم) یا (بیس درھم) کہے اور سودا ہو جائے اوربائع و مشتری جدا جدا ہو جائیں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

محدث البانی رحمہ اللہ تعالیٰ إرواء الغلیل میں فرماتے ہیں:وَقَدْ مَضٰى قَرِيْباً تَفْسِيْرُه، بِمَا ذُكِرَ عَنْ سِمَاكٍ.وَكَذَا فَسَّرَه، عَبْدُالْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ ، فَقَال:يَعْنِیْ يَقُوْلُ:هُوَ لَکَ بِنَقْدٍ بِعَشْرَةٍ، وَبِنَسِيْئَةٍ بِعِشْرِيْنَ. اھ (۱۵۱/۵) پیچھے قریب ہی اس کی تفسیر میں سماک کا قول ذکر ہوا ہے ، اسی طرح عبد الوھاب بن عطاء نے اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا:"یعنی آدمی کہے:نقد آپ کے لئے دس میں ہے اورادھار بیس میں"۔

عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "مصنف"میں لکھتے ہیں:قَالَ الثَّوْرِیُّ:إِذَا قُلْتَ:أَبِيْعُکَ بِالْنَقْدِ بِكَذَاوَبِالْنَّسِيْئَةِ بِكَذَاوَكَذَا۔فَذَهَبَ بِهِ الْمُشْتَرِیُ فَهُوَ بِالْخِيَارِ فِیْ الْبَيْعَيْنِ مَا لَمْ يَكُنْ وَقَعَ بَيْعٌعَلٰى أَحَدِهِمَا،فَإِنْ وَقَعَ الْبَيْعُ هٰكَذَا فَهٰذَا مَكْرُوْهٌ، وَهُوَ بَيْعَتَانِ فِیْ بَيْعَةٍ ، وَهُوَمَرْدُوْدٌ



وَہُوَ الَّذِیْ یُنْہٰی عَنْہُ ، فَإِذَ وَجَدتَ مَتَاعَکَ بِعَیْنِہِ أَخَذْتَہُ ، وَإِنْ کَانَ قَدْ اسْتَھْلَکَ فَلَکَ أَوْکَسُ الْثَمَنَیْنِ ، وَأَبْعَدُ الْأَجَلَیْنِ۔ [۱۳۸/۸(۱٤٦۳۲)]

امام ثوری رحمہ اللہ نے کہا: جب آپ کہیں کہ "نقد آپ کو اتنے میں دوں گا اور ادھار اتنے میں "کوئی ایک صورت طے ہونے کے بغیر گاہک اگر وہ چیز لے جائے تو اسے اختیار ہے دو قیمتوں میں سے جو مرضی ادا کر دے لیکن اگر اس طرح بیع طے ہو جائے تو ایسی بیع مکروہ ہے اور ایک بیع میں دو بیعیں ہیں جو کہ مردود اور ممنوع ہے، اگر آپ کو اپنا سامان بعینہ مل جائے تو اسے لے لو اور اگر خراب ہو چکا ہو تو دو قیمتوں میں جو کم ہے وہ لیں گے اور ادائیگی کے دو اوقات میں سے جو زیادہ تاخیر والا وقت ہے اس وقت وصول کریں گے۔

وَ قَالَ عَبْدُالْرَّزَّاقِ:أَخْبَرَنَا إِسْرَائِیْلُ قَالَ:حَدَّثَنَا سِمَاکُ بْنُ حَرْبٍ عَنْ عَبْدِالْرَّحْمٰنِ ابْنِ عَبْدِاللّٰہِ عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ص قَالَ:لَا تَصلُحُ الْصَّفْقَتَانِ فِیْ الْصَّفْقَةِ أَنْ یَّقُوْلَ: ہُوَ بِالنَّسِیْئَةِ بِکَذَا وَ کَذَا، وَ بِالنَّقْدِ بِکَذَا وَ کَذَا۔اھ(۱۳۸/۸) عبد الرزاق فرماتے ہیں: ہمیں اسرائیل نے خبر دی، اس نے کہا ہمیں سماک بن حرب نے بیان کیا از عبد الرحمان بن عبد اللہ کہ عبد اللہ بن مسعود ص نے فرمایا: ایک چیز کے دو سودے کرنا کہ "ادھار اتنے کی اور نقد اتنے کی ہے" درست نہیں۔

امام شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار میں فرماتے ہیں:"قَوْلُه.:مَنْ بَاعَ بَیْعَتَیْنِ.فَسَّرَہ، سِمَاکٌ بِمَا رَوَاہُ الْمُصَنِّفُ عَنْ أَحْمَدَ عَنْہُ ، وَقَدْ وَافَقَه، عَلٰی مِثْلِ ذٰلِکَ الشَّافِعِیُّ ، فَقَالَ:بِأَنْ یَّقُوْلَ: بِعْتُکَ بِأَلْفٍ نَقْداً أَوْ أَلْفَیْنِ إِلٰی سَنَةٍ ، فَخُذْ أَیَّهُمَا شِئْتَ أَنْتَ ، وَشِئْتُ أَنَا ، وَنَقَلُ ابْنُ الرِّفْعَةَ عَنِ الْقَاضِیْ أَنَّ الْمَسْأَلَةَ مَفْرُوْضَةٌ عَلٰی أَنَّه، قَبِلَ عَلٰی الْإِبْہَامِ.أَمَّا لَوْ قَالَ:قَبِلْتُ بِأَلْفٍ نَقْداً ،أَوْ بِأَلْفِیْنِ بِالنَّسِیْئَةِ صَحَّ ذٰلِکَ.وَقَدْ فَسَّرَ ذٰلِکَ الشَّافِعِیُّ بِتَفْسِیْرٍ آخَرَ ، فَقَالَ: ہُوَ أَنْ یَّقُوْلَ: بِعْتُکَ ذَا الْعَبْدَ بِأَلْفٍ عَلٰی أَنْ تَبِیْعَنِیْ دَارَکَ بِکَذَا.أَیْ إِذَا وَجَبَ لَکَ عِنْدِیْ وَجَبَ لِیْ عِنْدَکَ ، وَہٰذَا یَصلُحُ تَفْسِیْرٌ لِلرِّوَایَةِ الْأُخْرٰی مِنْ حَدِیْثِ أَبِیْ



هُرَيْرَةَ ، لَا لِلْأُوْلٰى فَإِنَّ قَوْلَه،:فَلَه، أَوْكَسُهُمَا.يَدُلُّ عَلٰى أَنَّه، بَاعَ الشَّيْئَ الْوَاحِدَ بَيْعَتَيْنِ بَيْعَةً بِأَقَلَّ وبيْعَةً بِأَكْثَر .وَقِيْلَ فِيْ تَفْسِيْرِ ذٰلِکَ:هُوَ أَنْ يُّسْلِفَه، دِيْنَاراً فِيْ قَفِيْزِ حِنْطَةٍ إِلٰى شَهْرٍ ، فَلَمَّا حَلَّ الْأَجَلُ ، وَطَالَبَه، بِالْحِنْطَةِ قَالَ: بِعْنِيْ الْقَفِيْزَ الَّذِیْ لَکَ عَلَیَّ إِلٰى شَهْرَيْنِ بِقَفِيْزَيْنِ. فَصَارَ ذٰلِکَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ الثَّانِیَ قَدْ دَخَلَ عَلٰى الْأَوَّلِ فَيَرُدُّ إِلَيْهِ أَوْكَسَهُمَا ، وَهُوَ الْأَوَّلُ. كَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَنِ لِابْنِ رَسْلَانَ.اھ

[كتاب البيوع باب بيعتين فى بيعة ٥/٢٤٩]

حدیث((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ)) کی تفسیر سماک نے اسی طرح کی ہے جس طرح مصنف نے امام احمد کے واسطے سے سماک سے روایت کیا ہے۔امام شافعی کا قول بھی ان کے موافق ہی ہے،امام شافعی فرماتے ہیں: کہ حدیث کا مطلب ہے کہ آدمی مثال کے طور پر کہے:-"نقد ہزار کی اور ایک سال تک ادائیگی کر دو تو دو ہزار کی،جو آپ چاہتے ہیں وہ لے لیں اور جو میں چاہوں وہ لے لوں"۔

ابن رفعہ نے قاضی سے نقل کیا ہے کہ اس صورت میں جب بات مبہم اور غیر واضح ہو لیکن اگر وضاحت ہو جائے اور کہہ دے کہ:نقد ہزار کی مجھے منظور ہے،یا ادھار دو ہزار کی مجھے قبول ہے تو ایسا کرنا صحیح ہے۔

اس کی وضاحت امام شوکانی نے اور طرح بھی کی ہے کہ وہ کہے:یہ غلام میں تمہیں ایک ہزار میں فروخت کرتا ہوں بشرطیکہ تو اپنا گھر مجھے اتنی اتنی قیمت پر بیچے۔یعنی جب غلام تیرا ہو جائے گا تو گھر میرا ہو جائے گا۔

یہ ابو ھریرہ کی دوسری روایت کی تفسیر تو بن سکتا ہے مگر پہلی روایت کی نہیں کیونکہ فَلَهُ أَوكَسُهُمَا(اس کے لئے کم قیمت لینا جائز ہے)کے الفاظ اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ وہ ایک ہی چیز کی دو بیعیں کر رہا ہے:ایک بیع کی قیمت کم ہے جبکہ دوسری کی زیادہ۔

اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:اس کا مطلب ہے کہ ایک آدمی کسی کو ایک دینار ادھار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ مہینے بعد مجھے اس کے بدلے ایک قفیز گندم دے دینا،وقت آنے پر وہ اس گندم کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے:آپکا جو ایک قفیز میرے ذمہ ہے وہ مجھے بیچ دو اور دو مہینے بعد دو قفیز مجھ سے لے لینا۔



یہ ایک بیع میں دو بیعیں ہیں کیونکہ دوسری بیع پہلی بیع پر داخل ہوئی ہے۔تو خریدار دو قیمتوں میں سے کم قیمت ہی ادا کرے گا اور وہ وہی پہلی (ایک قفیز ہی) ہے، شرح السنن لابن رسلان میں اسی طرح ہے۔ امام شوکانی کی بات ختم ہوئی۔

حدیث کے الفاظ: "فلَه، أَوْكَسُهُمَا" کا مطلب ہے دونوں قیمتوں میں کم درجہ کی قیمت۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں:لَا أَعْلَمُ أَحداً قَالَ بِظَاهِرِ الْحَدِيثِ ، وَصَحَّحَ الْبَيْعَ بِأَوْكَسِ الثَّمَنَيْنِ إِلَّا مَا حُكِيَ عَنِ الأَوْزَاعِيّ ، وَهُوَ مَذْهَبٌ فَاسِدٌ.اهـ [تحفة الأحوذى شرح جامع الترمذى لأبى العلا المباركفورى أبواب البيوع باب ماجاء فى النہى عن بيعتين فى بيعة ٣٥٩/٤] میں کسی کو نہیں جانتا جس نے حدیث کے ظاہر الفاظ کو سامنے رکھ کر "دو قیمتوں میں سے کم قیمت والی بیع "کو صحیح قرار دیا مگر امام اوزاعی اسے صحیح کہتے ہیں اور امام اوزاعی کا یہ نظریہ فاسد ہے۔انتہیٰ

یہ تو واضح ہے کہ امام اوزاعی نے جو فرمایا حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہے؛کیونکہ "فَلَه، أَوْكَسُهُمَا" کا یہی تقاضا ہے کہ دو قیمتوں میں سے کم قیمت لینا جائز ہے۔

قَوْلُه.: ((أَوِ الرِّبَا)).يَعْنِىْ أَوْ يَكُوْنُ قَدْ دَخَلَ هُوَ وَصَاحِبُه، فِى الرِّبَا الْمُحَرَّمِ إِذَا لَمْ يَأْخُذِ الْأَوْكَسَ ، بَلْ أَخَذَ الْأَكْثَرَ ، وَذٰلِكَ ظَاهِرٌ فِى التَّفْسِيْرِ الَّذِىْ ذَكَرَه، ابْنُ رَسْلَانَ ، وَأَمَّا فِى التَّفْسِيْرِ الَّذِىْ ذَكَرَه، أَحْمَدُ عَنْ سِمَاكٍ ، وَذَكَرَه، الشَّافِعِيُّ فَفِيْهِ مُتَمَسَّكٌ لِمَنْ قَالَ:يَحْرُمُ بَيْعُ الشَّيْئِ بِأَكْثَرَ مِنْ سِعْرِ يَوْمِهِ لِأَجْلِ النَّسَأ .اهـ[تحفة الأحوذى شرح جامع الترمذى لأبى العلا المباركفورى أبواب البيوع باب ماجاء فى النہى عن بيعتين فى بيعة ٣٥٩/٤].

حدیث کے الفاظ:((أوِالرِّبَا)) یعنی دو قیمتوں میں سے "کم قیمت" کی بجائے اگر "زیادہ قیمت" لے لے تو بائع اور مشتری دونوں حرام سود میں داخل ہو جاتے ہیں۔یہ بات ابن رسلان کی بیان کردہ تفسیر میں واضح ہے۔رہی وہ تفسیر جو امام احمد نے سماک سے ذکر کی ہے اور امام شافعی نے بھی ذکر کی ہے تو اس سے



اس آدمی کے قول کو تقویت ملتی ہے جو کہتا ہے "کسی چیز کو ادھار کی وجہ سے اس کی موجودہ قیمت سے زیادہ پر بیچنا حرام ہے۔

ہماری ان نقل کردہ عبارات سے معلوم ہوا کہ بیع کی یہ شکل "نقد دس کی، ادھار پندرہ کی" نبیؐ کی اس حدیث:((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا)) .میں شامل ہے۔اور بلاشبہ "قسطوں کی بیع جس میں تاخیرِ ادائیگی کی وجہ سے قیمت زیادہ کی جاتی ہے "اسی سے ہے۔ اور صاحب مضمون ان صورتوں میں جن پر حدیث منطبق ہوتی ہے اِس صورت کا ذکر چھوڑ گئے ہیں۔

پھر ان کی یہ بات "یہ حدیث قسطوں والی بیع پر منطبق نہیں ہوتی کیونکہ حدیث کا ان تینوں معانی -جن میں قسطوں والی بیع جس میں قیمت بڑھائی جاتی ہے شامل نہیں- میں سے ہی کوئی معنٰی مراد ہے"فقہ و انصاف سے بالکل عاری ہے۔

جواب نمبر۳- آپ یہ دیکھ چکے ہیں کہ صاحب مضمون نے کہا: بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کوئی چیز اس شرط پر فروخت کرے کہ خریدار اسے کوئی دوسری چیز فروخت کرے۔

حالانکہ پہلے یہ کہہ کر آئے ہیں کہ: حدیث سے تین معانی میں سے ہی کوئی ایک معنٰی مراد ہے۔ تو تاکیداً لکھ رہے ہیں کہ یہ صورت بھی حدیث:((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا)) .کے تحت داخل ہے۔

پہلے آپ امام شافعی کی تفسیر جو امام شوکانی نے نقل کی ہے بھی جان چکے ہیں کہ: میں تمہیں یہ غلام ایک ہزار کا اس شرط پر فروخت کرتا ہوں کہ تم مجھے اپنا گھر اتنے میں فروخت کرو۔ پھر امام شوکانی نے فرمایا کہ یہ ابوھریرہ کی دوسری روایت:نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ. (رسول اللہؐ نے ایک بیع میں

دو بیعوں سے منع فرمایا) کی تفسیر بنتی ہے پہلی روایت کی نہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ "فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا" اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نے ایک چیز کی دو بیعیں کیں ایک کم قیمت پر، دوسری زیادہ پر۔

تو تین صورتوں میں سے آخری تیسری صورت جس پر حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا)) . صاحب مضمون کے ہاں منطبق ہوتی ہے لیکن یہ حدیث ان الفاظ سے اس صورت پر منطبق نہیں ہوتی۔

جواب نمبر۴- بیع عینہ -ایک شخص کا دوسرے سے کوئی سامان ادھار خریدنا، پھر فروخت کنندہ کا خریدار سے نقداً اُسے کم قیمت پر لے لینا - بھی ان صورتوں سے نہیں جن پر حدیث ((فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا)).صادق آتی ہے کیونکہ حدیث میں ربا (سود) اضافی قیمت والی بیع کو کہا گیا ہے، کم قیمت والی بیع کو نہیں؛ جبکہ بیع عینہ میں معاملہ اس کے برعکس ہے ،اس لئے کہ اس میں کم قیمت پر خریدنا حرام ہے،زیادہ قیمت پر خریدنا حرام نہیں۔اور اس لئے بھی کہ حدیث اس صورت کا ذکر کر رہی ہے جس میں بائع ایک ہی چیز کی دو بیعیں کرتا ہے:ایک کم قیمت والی اور دوسری زیادہ قیمت والی، جبکہ بیع عینہ میں ایسی صورت نہیں۔

جواب نمبر۵-جب دو صورتیں"بیع عینہ اور بیع بشرطِ بیع "صاحب مضمون کی حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا))۔ کے مصداق میں ذکر کردہ تین صورتوں سے نکل گئیں تو تین میں سے ایک صورت باقی رہ گئی جس کو حدیث شامل ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کو کوئی چیز ایک مہینہ کے ادھار پر فروخت کرتا ہے،جب ادائیگی کا وقت آتا ہے خریدار کے پاس قیمت موجود نہیں ہوتی،تو بائع مشتری پر مزید بوجھ اس طرح ڈالتا ہے کہ وہی سامان اُسے دوبارہ نئی قیمت اور نئے ادھار پر فروخت کرتا ہے جبکہ پہلی قیمت بدستور اُس پر واجب الأداء رہتی ہے۔تو اِس صورت میں"دوسری بیع"صاحبِ مضمون کے نزدیک بھی سود ہے۔اور جو دلیل اِس دوسری بیع کو سود ٹھہراتی

ہے وہ بعینہٖ ان دو بیعوں میں سے پہلی بیع کو سُود ٹھہراتی ہے جب اِس میں نقد کی قیمت سے زیادہ قیمت ہو۔

اسی طرح بعینہٖ یہ دلیل قسطوں کی بیع کو بھی سود ٹھہراتی ہے کیونکہ قسطوں کی بیع دو بیعوں میں سے پہلی بیع ہے، جب اس میں نقد کی قیمت سے زیادہ قیمت ہو۔ یہ صورت بقیہ ایک صورت جیسی ہی ہے جو حدیث کے منطوق میں آتی ہے۔ ہاں! اتنا فرق ہے کہ قسطوں کی بیع میں ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے قیمت قسطوں کی شکل میں ادا کرنا ہوتی ہے، اور حکماً دونوں صورتیں ایک ہی ہیں۔ اس فرق سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تو کیا وجہ ہے کہ صاحب مضمون دوسری نئ بیع کو تو حرام اور سود قرار دیتے ہیں اور پہلی بیع خواہ نقد قیمت سے مہنگی ہو، اسی طرح قسطوں کی بیع کو سود قرار نہیں دیتے ہیں؟

اگر تو وہ کہتے ہیں: قسطوں کی بیع میں ساری قیمت سامان کے مماثل اور اُس کی پوری قیمت ہے اور پہلی بیع دوسری نئ بیع کے علاوہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ محض دعوٰی ہے، حالانکہ صورت مذکورہ میں "قسطوں کی بیع، پہلی بیع اور دوسری نئ بیع کے درمیان کوئی فرق نہیں؛ کیونکہ دوسری نئ بیع میں ساری قیمت جب سامانِ فروخت کی مماثل نہیں- کیونکہ تاخیرِ ادائیگی کی وجہ سے قیمت بڑھائی جا رہی ہے- تو قسطوں کی بیع اور پہلی بیع میں بھی تمام قیمت سامانِ فروخت کے مماثل نہیں کیونکہ ان میں بھی زیادہ قیمت لینے کا دارومدار تاخیرِ ادائیگی پر ہے۔

چند فوائد

فائدہ اُولیٰ:

اکثر علماء نے ایک بیع میں دو بیعوں کی ممانعت کی وجہ معاملہ کے مبہم اور مجہول ہونے کو ٹھہرایا ہے۔ یہ بات ان اقوال سے ظاہر ہے جو شوکانی نے نیل الأوطار میں اور دوسرے علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کئے ہیں۔ "ایک بیع میں دو بیعوں" کی بعض صورتوں میں یہ وجہ ہو سکتی ہے لیکن اس حدیث: ((مَنْ بَاعَ



بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا))۔میں منع کی علت یہ وجہ نہیں بلکہ اس میں ممانعت کی وجہ اس کا سود ہونا ہے جیسا کہ نبیؐ نے اس کی وضاحت کی ہے۔

فائدہ ثانیہ:

بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ ایک بیع میں دو بیعوں کے منع کی علت کا وہ احتمال ہو سکتا ہے جو متنازع فیہ مسئلہ سے خارج ہے، جس طرح ابن رسلان کا قول پیچھے گزرا ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اِس صورت میں واقع ہونے والی بیع "نقد اتنے کی اور اُدھار اتنے کی" کو منع کہہ سکتے ہیں لیکن اگر شروع میں ایک ہی بات کرے کہ "ادھار اتنے کی دوں گا"(اوراس کی قیمت اس روز کے ریٹ سے زیادہ ہو)تو ایسی بیع جائز ہے،ویسے اس حدیث کا تمسک کرنے والے (دلیل پکڑنے والے)اِس صورت سے منع کرتے ہیں؛حالانکہ حدیث میں یہ معنیٰ موجود نہیں،تو دلیل دعوٰی سے اَخصّ ہے۔(انتہیٰ)

میں کہتا ہوں:ا

-اس کا یہ قول کہ ایک بیع میں دو بیعوں کے منع کی علت کا وہ احتمال ہو سکتا ہے جو متنازع فیہ مسئلہ۔۔۔۔۔ اگر تسلیم کرلیا جائے تو بھی متنازع فیہ مسئلہ پر حدیث سے کئے گئے استدلال میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی کیونکہ حدیث عام ہے اور وہ ابن رسلان کی ذکر کردہ صورت اور متنازع فیہ صورت دونوں کو شامل ہے اور حدیث کے عموم سے متنازع فیہ مسئلہ کو خاص اور مستثنٰی کرنے کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

یہ بات بھی ہے کہ ابن رسلان کی ذکر کردہ بیع کی صورت اس طرح بنتی ہے:ایک قفیز گندم کے عوض،دو قفیز گندم،دو مہینے بعد۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ایک قفیز گندم کی دو قفیز کے ساتھ بیع منع اور سود ہے خواہ ایک دو دن یا مہینہ دو مہینہ تک کی مدت حائل نہ ہو بلکہ تاخیر ادائیگی کا اس میں دخل تک نہ ہو اور قیمت کی زیادتی بھی تاخیر کی وجہ سے نہ ہو۔تو ابن رسلان کی ذکر کردہ صورت میں دوسری بیع منع اور سود بنتی ہے خواہ شروع سے ہی ایسا طے کیا جا رہا ہو۔ہماری اس بات سے واضح ہو گیا کی ابن رسلان کی ذکر کردہ



صورت اس حدیث: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا)) .کی تشریح میں داخل نہیں ہوتی۔لہٰذاان کا یہ کہنا کہ:ایک بیع میں دو بیعوں کے منع کی علت کا وہ احتمال ہو سکتا ہے جو متنازع فیہ مسئلہ ہے درست نہیں،کیونکہ حدیث میں ابن رسلان کی تفسیر والا احتمال بالکل نہیں پایا جاتا۔ابن رسلان کا احتمال پیچھے حدیث کی تفسیر میں میں نے صرف بطورِ نقل وحکایت ذکر کیا ہے۔

ہماری اس ساری بات چیت سے واضح ہو گیا کہ نبیؐ کی حدیث:((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا)) کا مصداق ایک صورت ہو یا کئی صورتیں،انہیں ان چیزوں پر مشتمل ہونا چاہئے۔

۱–وہ صورت ایسی ہو کہ اس میں ایک چیز کی دو بیعیں ہوں۔

۲–وہ دونوں بیعیں ایک بیع میں ہوں۔

۳–ان دونوں میں سے ایک بیع کم قیمت پر ہو۔

۴–ان میں سے ایک کم قیمت والی بیع حلال ہو،سود نہ ہو

۵–دونوں میں سے ایک بیع زیادہ قیمت والی ہو۔

۶–دونوں میں سے زیادہ قیمت والی بیع حرام اور سود ہو۔

۷–دونوں بیعوں میں بائع (بیچنے والا) ایک ہو۔

۸–دونوں بیعوں میں سے اکثر اور زیادہ قیمت والی بیع کی حرمت کا سبب سود ہو۔

۹–دونوں بیعوں میں سے جس چیز کو فروخت کیا جارہا ہو وہ ایک ہی چیز ہو۔

۱۰–ایسی بیع کی حرمت–جس کا ذکر کیا جارہا ہے–اس میں مندرجہ بالا نو چیزیں جمع ہوں۔

اور ابن رسلان کی ذکر کردہ صورت میں بائع (فروخت کنندہ) بدل گیا ہے،کیونکہ پہلی بیع میں جو بائع ہے،دوسری بیع میں وہ مشتری (خریدار) ہوتا ہے۔اور پہلی بیع میں جو مشتری ہوتا تھا،دوسری بیع میں وہ



بائع بنتا ہے۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ ابن رسلان نے جو صورت ذکر کی ہے وہ ان صورتوں سے نہیں جن پر نبیﷺ کی حدیث:((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)) . صادق آتی ہے۔

٢-بائع جب شروع سے صرف یہی کہے کہ "ادھار اتنے کی" اور یہ نہ کہے کہ "نقد اتنے کی" اور ادائیگی میں تاخیر کیوجہ سے قیمت زیادہ لگائے تو تحقیقاً تو یہ ایک بیع ہے اور تقدیراً یہ دو بیعیں ہیں؛ اس لئے کہ وہ زیادہ پیسے ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے لے رہا ہے۔ اور نبیﷺ کا فرمان:((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا)) . دو بیعوں کو مشتمل ہے، خواہ وہ حقیقی ہوں، یا ان میں سے ایک حقیقی ہو اور دوسری مخفی اور تقدیری۔ تو دلیل دعوٰی سے اَخص نہیں۔

٣-ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر شروع سے ہی کہا جائے کہ "ادھار اتنے کی" اور ادھار کی وجہ سے پیسے بھی زیادہ لگالے۔ تو یہ حدیث کے منطوق میں داخل نہیں ہوتا لیکن ہم کہتے ہیں: "حدیث کے مفہوم میں یہ چیز داخل ہے، کیونکہ دوسری بیع یعنی "ادھار اتنے کی" اور ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے قیمت بھی زیادہ لگا لے تو یہ سودی بیع ہے (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) خواہ "نقد اتنے کی" کہہ کر کہے اور خواہ اس کے بغیر صرف یہی کہے کہ "ادھار اتنے کی" مفہوم سے جو بات سمجھ میں آتی ہے اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے-(وَلَاتَقُلْ لَهُمَاأُفٍّ). اور انہیں (والدین کو) اُف نہ کہو۔ اور نبیﷺ کا فرمان:((لَا يَبُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ فِيْ الْمَاءِ الدَّائِمِ)). الحدیث (تم میں سے ہر گز کوئی کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے) [صحيح مسلم كتاب الطہارة باب النہی عن البول فی الماء الراقد(٢٨٢)] اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ جب والدین کو اُف کہنا حرام ہے تو جوتے کے ساتھ مارنا بھی حرام ہے۔ اور کھڑے پانی میں پیشاب کرنا حرام ہے تو پاخانہ کرنا بھی حرام ہے۔ تو کیا یہ کہا جائے گا کہ آیت اور حدیث میں تو یہ بات نہیں آئی کہ والدین کو جوتے کے ساتھ مارنا حرام ہے، اور کھڑے پانی میں پاخانہ کرنا حرام ہے، اسلئے کہ دلیل دعوٰی سے اَخص ہے؟ "نہیں، ہر گز نہیں" کیونکہ استدلال مفہوم سے ہی لیا گیا ہے اور یہ صحیح استدلال ہے، اسی

طرح جو استدلال ہم کر رہے ہیں وہ بھی مفہوم سے ہی سمجھ آرہا ہے، لہٰذا ان کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ "حدیث اس پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ دلیل دعوٰی سے اَخص ہے"۔

۴-ان کا استدلال "علت کے ساتھ استدلال کرنے کی قبیل سے ہے کیونکہ یہ صورت کہ: "میں نقد تمہیں یہ چیز دس درھم کی دیتاہوں اور یہی چیز ادھار پندرہ درہم کی دیتاہوں" دوسری بیع کی حرمت کی علت "سود" کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں۔ اور اگر کوئی آدمی کوئی چیز ادھار اس وجہ سے موجودہ ریٹ سے زیادہ پر بیچتاہے کہ پیسے تاخیر سے ملنے ہیں تو شروع سے ہی صرف ادھار کی وجہ سے چیز کو زیادہ قیمت پر بیچنا سود ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قسطوں کی بیع میں نقد قیمت سے زیادہ لینااسی قبیل سے ہے، تو پھر قسطوں کی بیع کیسے جائز ہوئی جبکہ وہ سود پر مشتمل ہے؟

فائدہ ثالثہ:

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ "نبیؐ کی حدیث :((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا)). ضعیف اور شاذ ہے لہٰذا اس سے حجت پکڑنا اور استدلال کرنا صحیح نہیں"۔ لیکن ان کی یہ بات درست نہیں ،اس لئے کہ حدیث حسن اور صحیح ہے ،نہ ضعیف ہے،نہ شاذ اور نہ معلل؛ لہٰذا اس سے حجت پکڑنا اور استدلال کرنادرست ہے۔

محدث البانی رحمہ اللہ تعالیٰ إرواء الغلیل میں فرماتے ہیں:۱۳۰۷-قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ((صَفْقَتَانِ فِيْ صَفْقَةٍرِباً)) صحیح،الخ ابن مسعود نے فرمایا"ایک چیز کے دوسودے کرناسود ہے"۔

البانی صاحب فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے شواہد ابو ھریرہ،عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عمرو ث کی حدیث سے ملتے ہیں۔ ابو ھریرہ والی حدیث : ((عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍوعَنْ أَبِيْ سَلَمَةَ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ : نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ)). [النسائی(۲۷۷/۲) الترمذی (۲۳۲/۱)، ابن الجارود (٦٠٠)،ابن حبان (١١٠٩)،البیھقی (٣٤٣/٥)،أحمد (٤٣٢،٤٧٥،٥٠٣/٢)] امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔میں کہتاہوں:اس کی سند حسن ہے



۔ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِالرِّبَا)).[مصنف ابن أبی شیبة(۲/۱۹۲/۷)،أبو داود (۳٤٦۰)،ابن حبان (۱۱۱۰)، الحاکم (۲/٤٥)البیہقی (۵/۳٤۳).امام حاکم نے کہا: مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی،ابن حزم نے بھی المحلی(۹/۱٦)میں اسے صحیح کہا،اسی طرح عبدالحق نے اپنی کتاب "الأحکام"میں اس حدیث کو(پہلے الفاظ کے ساتھ) صحیح کہا۔میں کہتا یہ صرف "حسن" ہے کیونکہ محمد بن عمرو کے حافظے میں تھوڑا سا کلام ہے۔امام بخاری نے باقی راویوں کے ساتھ ملا کر اس سے روایت کی ہے ،اور امام مسلم نے متابعت میں۔حافظ ابن حجر تقریب التہذیب میں فرماتے ہیں:صَدُوْقٌ لَهُ أَوْهَامٌ .(صدوق ہے اور اسے بعض دفعہ وہم بھی ہوئے ہیں)البانی رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوا

فائدہ رابعہ:

بعض کہتے ہیں:حدیث تو صحیح ہے لیکن منسوخ ہے۔لیکن ان کی یہ بات محض دعوٰی ہے،قرآن وحدیث سے اس کے نسخ کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔اور منسوخ جیسے مسائل صرف دعوٰی کرنے سے ثابت نہیں ہوتے خواہ بڑے بڑے علماء ہی اِس کا دعوٰی کریں۔

صاحب مضمون لکھتے ہیں "اسی طرح ان کا عبداللہ بن عباس کے اس قول:"إِذَا اسْتَقَمْتَ أَيْ قَوَّمْتَ السِلْعَةَ بِنَقْدٍ ، ثُمَّ بِعتَ بِنَقْدٍ فَلَا بَأْسَ ، وَإِذَا اسْتَقَمْتَ بِنَقْدٍ ثُمَّ بِعتَ بِنَسِيْئَةٍ فَتِلْکَ دَرَاهِمُ بِدَرَاهِمَ".(جب تو چیز کی قیمت نقد کی لگائے پھر نقد بیچ دے تو کوئی حرج نہیں،اور جب نقد کی قیمت لگائے اور ادھار بیچے تو یہ درہموں کی درہموں سے بیع ہے)(جو جائز نہیں)۔

سے حجت پکڑنا صحیح نہیں؛اس لئے کہ عبداللہ بن عباس ص کا یہ قول اتنے ہی درجہ کے ایک دوسرے قول کے معارض اور برعکس ہے۔چنانچہ عبداللہ بن عباس سے مروی ہے کہ یہ جائز ہے جب فریقین جدا ہونے سے پہلے ایسی بیع پر متفق ہو جائیں۔اور پھر عبداللہ بن عمرو سے بھی اس کا جواز مروی ہے۔انتھی

میں کہتا ہوں:



۱- ہم ایک چیز کے "نقد ایک قیمت پر اور ادھار اس سے زیادہ قیمت پر بیچنے کو، اسی طرح قسطوں کی بیع کو عبداللہ بن عباس کے اس قول یا دوسری موقوف اور مقطوع روایات کی بناء پر حرام نہیں سمجھتے، ہم نے تو اپنے اس دعوٰی کو نبی ؐکی مرفوع، حسن اور صحیح حدیث سے ثابت کیا ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ابن عباس اور دوسرے صحابہ کرام کا قول تو ہم صرف تمہیں یہ بتانے کیلئے ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ؐکی حدیث پر عمل کیا اور اس پر فتوٰی بھی دیا۔

۲- صاحب مضمون نے ابن عباس کے قول سے کئے گئے استدلال کو اس دلیل سے غیر صحیح کہا ہے کہ وہ اتنے ہی درجے کے دوسرے اقوال سے معارض ہے اور ٹکراتا ہے۔ صاحب مضمون کی یہ دلیل بڑی عجیب و غریب ہے، کیونکہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ تم جو ابن عباس سے اس کا جواز ثابت کر رہے ہو یہ صحیح نہیں اس لئے کہ ابن عباس کا وہ قول جو جواز والا ہے ان کے دوسرے عدم جواز والے قول: " إِذَااسْتَقَمْتَ بِنَقْدٍ ثُمَّ بِعَتَ "الخ کے معارض ہے؟ پھر ابن مسعود کے قول: "اَلصَّفْقَتَانِ فِيْ صَفْقَةٍ رِباً" کے بھی معارض ہے؟۔

۳- پھر ابن عباس -رَضِيَ عَنْهُمَا اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ- سے اس کے جواز کا جو قول مروی ہے وہ ان سے ثابت ہی نہیں، چنانچہ محدث البانی رحمہ اللہ تعالیٰ إرواء الغلیل میں لکھتے ہیں:"أَخْرَجَ ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي الْبَابِ عَنْ أَشْعَثَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَابَأْسَ أَنْ يَقُوْلَ لِلسِّلْعَةِ هِيَ بِنَقْدٍ بِكَذَا ، وَبِنَسِيئَةٍ بِكَذَا ، وَلٰكِنْ لَا يَفْتَرِقَا إِلَّا عَنْ رِضًى.قُلْتُ: وَهٰذَا إِسْنَادٌ ضَعِيْفٌ مِنْ أَجْلِ أَشْعَثَ هٰذَا ، وَهُوَ ابْنُ سِوَارٍ الْكِنْدِيُّ ، وَهُوَ ضَعِيْفٌ كَمَا فِي التَّقْرِيْبِ ، وَ إِنَّمَا أَخْرَجَ لَه، مُسْلِمٌ مُتَابَعَةً .اھـ(۱۵۲/۵).

ابن أبي شیبہ نے اس باب میں اشعث از عکرمہ از ابن عباس روایت کیا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سامان کیلئے یہ کہنا کہ "نقد اتنے کا اور ادھار اتنے کا (سودا کرکے) دونوں (بائع اور مشتری) اگر رضامندی سے جدا ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہی.ں "میں کہتا ہوں: اشعث ابن سوار کندی کی وجہ



سے یہ سند ضعیف ہے کیونکہ وہ ضعیف ہے۔ جیسا کہ تقریب میں ہے، امام مسلم نے ان کی احادیث متابعت کے طور پر روایت کی ہیں۔ انتھی (۵/ ۱۵۲)

۴- عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے جواز کی روایت سے اگر صاحب مضمون کا اشارہ سنن أبی داوٗد کی مندرجہ ذیل روایت کی طرف ہے: أَنَّ النَّبِيَّ أَمَرَه، أَنْ يُّجَهِّزَ جَيْشاً فَنَفِدَتِ الْإِبِلُ ، فَأَمَرَه، أَنْ يَأْخُذَ عَلٰى قَلَائِصِ الصَّدَقَةِ ، فَكَانَ يَأْخُذُ الْبَعِيْرَ بِالْبَعِيْرَيْنِ إِلٰى إِبِلِ الصَّدَقَةِ. (مشكوة المصابيح بتحقيق الألبانی۲/۸۵۸).

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبیؐ نے انہیں ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا، اونٹ کم پڑ گئے تو آپؐ نے انہیں فرمایا: صدقے کی اونٹنیاں آنے تک ادھار لے لو، چنانچہ وہ صدقے کے اونٹ آنے تک دو اونٹوں کے بدلے ایک اونٹ لیتے تھے (یعنی جس سے ادھار اونٹ لیتے اسے کہتے کہ جب صدقے کے اونٹ آئیں گے تو ہم تمہیں ایک کی بجائے دو اونٹ دیں گے)

تو اس روایت کے بارے میں محدث البانی کہتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔(مشكوة المصابيح بتحقيق الألبانی ۲/۸۵۸).

پھر سمرۃ بن جندب کی حدیث سے ثابت ہے جو کہ ترمذی ، ابو داؤد ، نسائی،ابن ماجہ ،دارمی ، أحمد، أبو يعلى اور المختارة للضياء میں ہے :(أَنَّ النَّبِيَّ نَهٰى عَنْ بَيْعِ الْحَيَوَانِ بِالْحَيَوَانِ نَسِيْئَةً). نبیؐ نے حیوان کی حیوان کے ساتھ ادھار بیع سے منع فرمایا۔

ترمذی اور ابن الجارود نے اسے صحیح کہا جیسا کہ "تنقيح الرواة فی تخريج أحاديث المشكاة" میں ہے۔ صاحب تنقیح فرماتے ہیں: عبداللہ بن أحمد نے اسی طرح جابر بن سمرۃ کی حدیث روایت کی ہے۔ انتھی

۵- عبداللہ بن عباس کا قول "موقوف" ہے اور موقوف روایت حجت نہیں ہوتی؛ خصوصاً جب وہ ایک دوسری موقوف روایت کے معارض ہو جیسے یہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول: "إِذَا اسْتَقَمْتَ



بِنَقْدٍ "الخ، ابن مسعود کے قول: "اَلصَّفْقَتَانِ فِيْ صَفْقَةٍ رِباً" کے معارض ہے بلکہ مرفوع حدیث:
((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)). کے بھی مخالف ہے۔
پھر صاحب مضمون کے اپنے طریقے اور منہج کے مطابق بھی یہ دلیل صحیح نہیں بنتی کیونکہ وہ اِس کی مثل سے معارض ہے، چنانچہ انہوں نے نبیؐ سے روایت کی ہے کہ "نَهٰى رَسُوْ لُ اللهِ- عَنْ صَفْقَتَيْنِ فِيْ صَفْقَةٍ" (رسول اللہؐ نے ایک سودے میں دو سودے کرنے سے منع فرمایا) جیسا کہ ابن مسعود سے ثابت ہے انہوں نے فرمایا: "اَلصَّفْقَتَانِ فِيْ صَفْقَةٍ رِباً" ایک سودے میں دو سودے کرنا سود ہے۔
٦- عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: أَنَّه، نَهٰى عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ وَاحِدَةٍ ، وَعَنْ شَفٍّ مَا لَمْ يَضْمَنْ ، وَعَنْ بَيْعٍ وَ سَلَفٍ. (شرح السنة -٨/١٤٤).
آپؐ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا، نفع اور فائدہ لینے سے منع فرمایا جب تک ضامن نہ بن جائے اور بیع وسلف سے منع فرمایا۔

صاحب شرح السنۃ فرماتے ہیں: ایوب از عمرو بن شعیب از أبیه از جده روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ((لَا يَحِلُّ سَلَفٌ وَبَيعٌ وَلَا شَرْطَانِ فِيْ بَيعٍ وَلَا رِبْحُ مَا لَمْ يَضْمَنْ ، وَلَا بَيْعَ مَا لَيْسَ عِنْدَکَ)). 'سلف و بیع جائز نہیں، ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں، ایسی چیز کا منافع لینا جائز نہیں جس کا ابھی ضامن نہیں بنا اور نہ ایسی چیز کی بیع جائز ہے جو تیرے پاس موجود نہیں"۔
پھر اس کے بعد صاحب شرح السنۃ لکھتے ہیں کہ ((وَلَا شَرْطَانِ فِيْ بَيْعٍ)). سے مراد یہ ہے کہ کہے: "میں تمہیں یہ غلام نقد ہزار کا دیتا ہوں اور ادھار دو ہزار کا" تو یہ ایک بیع میں دو بیع ہی ہیں۔ انتھیٰ (۸/ ۱۴۴- ۱۴۵)

محدث البانی إرواء الغلیل میں فرماتے ہیں: عبد اللہ بن عمرو کی حدیث عمرو بن شعیب از أبیہ از جدہ کی روایت سے مرفوعاً مروی ہے جس کا بیان ایک حدیث سے پہلے گزر چکا ہے، اس کے الفاظ ابو ھریرہ کی پہلی حدیث والے ہی ہیں: (نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ عَنْ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ). عبد اللہ بن عمرو کی یہ حدیث ابن



خزیمہ اور بیہقی میں موجود ہے اور امام أحمد اس حدیث کے ضمن میں اسے لائے ہیں جو پہلے گزر چکی ہے ،بعض نے اِسے ((وَلَاشَرْطَانِ فِيْ بَيْعَةٍ)). (ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں) کے الفاظ سے روایت کیاہے۔ ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں الفاظ کا معنٰی ایک ہی ہے کیونکہ دونوں الفاظ عمرو بن شعیب کی سند سے ہی مروی ہیں، بعض رواۃ نے پہلے الفاظ روایت کئے ہیں اور بعض نے دوسرے۔ پھر غریب الحدیث(۱/۱۸)میں ابن قتیبۃ کا قول بھی اس کی تائید کرتا ہے،وہ فرماتے ہیں:"ممنوع بیوع سے "شَرْطَانِ فِيْ بَيْعٍ" (ایک بیع میں دو شرطیں) بھی ہے،اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی دو مہینوں کے لئے دو دینار پر ایک چیز خرید تا ہے،اور اگر تین مہینوں کے لئے خریدے تو تین دینار کی خرید تا ہے،یہ ایک "بیع میں دو بیع" کے معنٰی میں ہی ہے"۔ سماک سے مذکور اس کی تفسیر قریب ہی گزری ہے،اسی طرح عبدالوھاب بن عطاء اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:یعنی کہے:"نقد یہ تیرے لئے دس کی ہے اورادھار بیس کی "۔انتہی(۵/۱۵۱)اس کی تائید بغوی کی اِس حدیث: ((وَلَاشَرْطَانِ فِيْ بَيْعٍ)). کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے جسے ہم پہلے نقل کر آئے ہیں،انہوں نے اس کی تفسیر میں فرمایاہے: "فَمَعْنَاهُ مَعْنَى الْبَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيعَةٍ". کہ اس کا معنٰی ایک بیع میں دو بیع کرنا ہی ہے۔

صاحب تہذیب السنن(رَحِمَهُ اللّٰهُ ذُوالْمِنَنِ)بیع عینہ کی حرمت کے دلائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:چھٹی دلیل ابوداود میں ابوھریرہ کی حدیث ہے،وہ نبیؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا))۔ علماء کے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں:

پہلا قول:یہ ہے کہ کہے:نقد(یہ چیز) تمہیں دس کی،یاادھار بیس کی دیتاہوں۔یہی بات احمد نے سماک سے روایت کی ہے،چناچہ ابن مسعود ؓ والی حدیث:"نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ؐعَنْ صَفْقَتَيْنِ فِيْ صَفْقَةٍ". کی تفسیر میں سماک فرماتے ہیں:"آدمی ایک چیز بیچتاہے توکہتاہے:ادھارا تنے کی بیچنا مجھے منظور ہے اور نقدا تنے کی"۔ لیکن یہ تفسیر ضعیف ہے کیونکہ اس صورت میں ربا(سود) نہیں بنتا اور نہ ہی دو سودے بنتے ہیں بلکہ یہ دو قیمتوں میں سے ایک کے ساتھ ایک ہی سودا ہے۔

دوسرا قول:یہ ہے کہ کہے:میں یہ چیز تمہیں ایک سال کے ادھارپر ایک سو کی اس شرط پر فروخت کرتاہوں کہ اسے تجھ سے ابھی اسّی کی خریدوں گا۔بس حدیث کایہی معنیٰ ہے،کوئی اور معنیٰ نہیں،اور یہ آپ ؐکے قول:((فَلَه، أَوْكَسُهُمَا أَوِ الرِّبَا)). کے بھی مطابق ہے۔کیونکہ یاتووہ زائد قیمت لے گاجو کہ سودہے،یاپہلی قیمت لے جو کہ کم ہے۔یہ صورت ایک سودے میں دوسودے والی بنتی ہے،کیونکہ اس نے نقدوادھارکے دونوں سودوں کوایک سودے اورایک بیع میں جمع کردیاہے،اوروہ فوری اورنقد تھوڑے درھم دے کرتاخیرسے زیادہ درہم لیناچاہتاہے حالانکہ وہ اپنے اصل مال-جوکہ دوقیمتوں سے کم قیمت ہے-کامستحق ہے،لیکن اگروہ زائدہی لے تواس نے سودلیا۔انتہی(٥/١٠٥-١٠٦)

اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسری صورت میں اسّی کی سو کے ساتھ بیع کی گئی اور یہ بیع سودہے،اوراسی طرح اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پہلی صورت میں دس کوبیس کے ساتھ بیچاگیا،اوریہ بیع بھی سودہے۔توپہلی صورت کوچھوڑکرصرف دوسری صورت کوسودبنانا تحکّم اورسینہ زوری کے علاوہ کچھ نہیں۔

پہلے ہم بیان کرآئے ہیں کہ جب دس نقدکی دس ادھارسے بیع سودہے تودس نقدکی بیس ادھارسے بیع بالاَولیٰ سودہے،رہاسامانِ فروخت !توجس طرح وہ دوسری صورت میں حیلہ ہے اُسی طرح پہلی صورت میں بھی وہ حیلہ ہی ہے۔

پھرپہلی صورت میں اگردوقیمتوں میں سے ایک قیمت کے ساتھ ایک ہی سوداہے تودوسری صورت میں بھی دوقیمتوں میں سے ایک کے ساتھ ایک ہی سوداہے،اوراگردوسری صورت میں ایک سودے میں دوسودے اس لئے بنتے ہیں کہ یہ صورت نقداورادھارکے دونوں سودوں کوایک سودے اورایک بیع میں جمع کرتی ہے اورمالک تھوڑے درہموں کی بجائے زیادہ درہم لیناچاہتاہے توپہلی صورت میں بھی ایک



سودے میں دوسودے بنتے ہیں کیونکہ یہ صورت بھی نقد اوراد ھار کے دونوں سودوں کوایک سودے اورایک بیع میں جمع کرتی ہے اوراس کا مالک بھی تھوڑے درہموں کی بجائے زیادہ درہم لیناچاہتاہے الخ

علاوہ ازیں صاحبِ تہذیب السنن کے قول کہ "یہ دو قیمتوں میں سے ایک کے ساتھ ایک ہی سوداہے"اس کی بنیاد پہلی تفسیر میں وارد مثال "بِعْتُکَ بِعَشْرَةٍ نَقْداً ، أَوْ عِشْرِيْنَ نَسِيْئَةً" کے لفظ "أَوْ"(یا) پر ہے۔لفظ "أَوْ"تردّد اور ابہام پر دلالت کرتا ہے، لیکن پہلے آپ کو معلوم ہو چکاہے کہ بعض نے حدیث کی یہ تفسیر "أَوْ"کی بجائے "وَ"(اور) کے ساتھ کی ہے؛لہٰذا پھر تردد باقی رہتاہے اور نہ کوئی ابہام،اس وقت یہ صورت دو بیع پر مشتمل ہو گی جن میں سے ایک کم قیمت پر ہو گی اوردوسری زیادہ قیمت پر،پہلی نقد پر ہو گی اوردوسری ادھار پر۔

پھر صاحبِ تہذیب کے اِس کلام میں کئی اور مقام قابلِ نظر ہیں جو کہ ہماری سابقہ بحث اور خصوصاً نبیؐ کے اس قول:((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا))۔کہ کس پر صادق آتاہے اور کس پر صادق نہیں آتا؟کی تفصیل پر غور کرنے سے ظاہر ہوسکتے ہیں۔

صاحب مضمون کہتے ہیں:اس طرح قسطوں کی بیع کی ممانعت پر ان کا استدلال کہ اس سے سوداور فضول خرچی کادروازہ بند ہو گاالخ

اس بات کی کوئی قدروقیمت نہیں جب کہ نبیؐ نے فرمادیا:((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا))۔یہ حدیث اپنے عموم کی وجہ سے قسطوں کی بیع کو بھی شامل ہے کیونکہ اس میں بھی نقد قیمت سے زیادہ وصول کی جاتی ہے(جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے)۔

'قسطوں کی بیع"افراد،خاندانوں اورسوسائیٹیز پر کیا بھیانک اوربرے اثرات مرتب کرتی ہے؟اس کے بارے میں اگر آپ صحیح معلومات حاصل کرناچاہتے ہوں توالریاض سپریم کورٹ کے قاضی الشیخ عبداللہ بن ناصر السلمان حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب **"وجوب حفظ المال وأثرالتقسيط عليه"** پڑھیں، قطع نظر اس بات کے کہ قسطوں کی بیع جائز ہے یاناجائز۔



اوراگر آپ بیوع کے حیلوں کے بارے میں -جو آخر کار سود تک لے جاتے ہیں- کے بارے میں معلوم کرنا چاہیں تو بیع عینہ وغیرہ کی حرمت کے اثبات کے متعلق حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے "تہذیب السنن" میں جو لکھا ہے وہ پڑھیں، انہوں نے اس مسئلہ پر بہت عمدہ اوراچھے پیرائے میں کلام کیا ہے مگر بعض مقامات پر اُن سے تسامح ہوا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی چیز کی "نقد بیع (مثلاً) دس کی، اورادھار پندرہ کی" جائز نہیں، اوراس بیع کی صورتوں میں سے قسطوں کی بیع بھی ہے جس میں ادائیگی کی تاخیر کی وجہ سے نقد کی قیمت سے زیادہ لی جاتی ہے۔ دلیل اِس کی نبیﷺ کا یہ فرمان ہے: ((مَنْ بَاعَ بَيْعَتَيْنِ فِيْ بَيْعَةٍ فَلَهُ أَوْكَسُهُمَاأَوِالرِّبَا))۔
اوراِس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی چیز کو -خواہ شروع میں صرف ادھار کی ہی بات ہو- اس کو موجودہ قیمت سے زیادہ پر بیچنا جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں سود داخل ہے۔
اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعاہے کہ ہمیں ان اعمال کی توفیق عطا فرمائے جن میں اس کی رضاہے، اور ہمارے نبی محمدﷺ اوران کے آل واصحاب پر کثرت سے درود وسلام بھیجے۔
وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلٰى مَنْ لَدَيْكُمْ

